درسِ حدیث

جناب پروفیسر مقبول الحق قاسمی

اذان کے کلمات اور ان کے معانی

اشہد ان محمدا رسول اللہ

اذان میں کلمہ شہادت کے پہلے حصہ اور جزو لا الٰہ الا اللہ کے متعلق قبل ازیں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔ دوسرے جزو محمد رسول اللہ کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے۔ کہ اگر پہلے جزو کے بعد یہ دوسرا جزو نہ ہوتا تو توحید کا خالص تصوّر مبہم اور مہمل رہتا کیونکہ توحید کا تصوّر تو تمام ادیان میں کسی نہ کسی طور موجود ہے۔ عیسائی اور یہودی بھی اپنے ہاں توحید کا ایک معنی و تصور رکھتے ہیں۔ مشرکین عرب بھی خود کو بہت بڑا موحد قرار دیتے تھے اور خود کو اہل توحید ہی شمار کرتے تھے۔ انبیا سابقہ کی امتوں میں بھی توحید کا کچھ نہ کچھ تصور ضرور پایا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں برصغیر پاک و ہند میں بھی سکھ قوم میں توحید کا تصوّر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کلمہ شہادت میں لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہنا اس لیئے ضروری ہے۔ کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں توحید کا صرف اور صرف وہی تصوّر قابلِ قبول ہے۔ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے۔ اور یہ کہ ان کے بیان کردہ تصوّرِ توحید کے منافی ہر تصوّر باطل اور غلط ہے۔ عقیدہ توحید کا ایک یہ بھی تقاضا کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کسی نہ کسی طرح بارگاہِ باری تعالیٰ میں قرب و رسائی ہو۔ اللہ اس سے راضی ہو اور وہ اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ لہذا کلمہ شہادت میں یہ دوسرا جزو اس لیئے بڑھا دیا گیا کہ یہ تمام مقاصد یا یہ مقصد توحید صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان پر ایمان لانے اور ان کی اتباع و پیروی کیئے بغیر نہ کوئی خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ اس کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ اب اہل دنیا کے لیئے خدا تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ باقی ہے اور اس کے سوا تمام راستے مسدود ہیں۔ اب ان کے لیئے صرف ایک ہی دروازہ کھلا ہے۔ اور باقی

تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اور وہ راستہ اور وہ دروازہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور ان کی غیر مشروط اتباع کرنا ہے۔ اس کلمہ مبارکہ سے وسیلہ کا مسئلہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لیے وسیلہ یقیناً ضروری ہے۔ اور بلا وسیلہ اس تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ مگر یہ وسیلہ نہ کوئی بزرگ ہے۔ اور نہ ولی، نہ فقیر ہے۔ نہ آستانہ اور یہ وسیلہ صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ کی بطیب خاطر بلا چون وچراں اطاعت کرنا ہے۔ سورۃ کہف میں اس مسئلہ کو نہایت خوبصورت انداز میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا

آپ کہہ دیجیئے کہ میں بھی تم جیسا انسان ہوں وحی اترتی ہے مجھ پر۔ کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پھر جس کو امید ہو۔ اپنے رب سے ملنے کی اس کو چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کے ساتھ بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

قرآن حکیم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ذاتی اور طبعی حیثیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر ہیں۔ دوسروں کی طرح تمام بشری تقاضے اور بنیادی عناصر آپ کی ذات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ آپ کے ماں باپ بھی ہیں اور عزیز و اقارب بھی۔ آپ کی ولادت باسعادت بھی فطری طریقہ سے اور طبعی لوازمات کے ساتھ ہوئی ہے۔ صحت کے ساتھ بیماری، آرام کے ساتھ تکلیف اور سکھ کے ساتھ دکھ آپ میں بھی اسی طرح پائے جاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ خوشی و غمی کے جذبات آپ میں بھی ہیں۔ مکہ فتح ہوا تو آپ کا رواں رواں خوشی و مسرت سے جھوم اٹھا۔ لختِ جگر اور فرزند عزیز کا وصال ہوا تو آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ اور دل چور چور ہو گیا۔ اور یہ سب باتیں، ایسی ہیں جن کو تسلیم کرنے اور ماننے سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا تھا۔ مکہ اور دوسرے اہلِ عرب آپ کی یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے۔ سب تسلیم کرتے تھے۔ کہ آپ عبد اللہ کے بیٹے اور آمنہ کے جگر گوشہ ہیں۔ آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی۔ یعنی عمر کے تمام فطری ادوار کو یہ لوگ تسلیم کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ مسلمان نہ تھے۔ کافر کے کافر اور مشرک کے مشرک ہی رہے۔ مردود و ملعون اور مقہور و مغضوب ہی رہے۔ کیونکہ آپ کی ذات کو ماننے یا نہ ماننے سے عقیدہ میں کچھ فرق نہ پڑتا تھا۔ دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی۔

کہ اصل بات جس پر ایمان اور کفر کا دار و مدار ہے۔ اور جو چیز توحید و شرک میں حد فاصل ہے وہ آپ کی رسالت ہے۔ جو اس کو نہ دل سے اور خلوص نیت سے تسلیم کرتا ہے وہ مومن ہے مسلمان ہے۔ اور جو اس کا انکاری ہے۔ وہ خدا اور اسلام کا انکاری ہے۔ اس آیت سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ تک رسائی چاہتا ہے۔ اس کی بارگاہ میں عزت و احترام کا طلبگار ہے۔ اور اس سے ملاقات کا متمنی ہے۔ اس کے لیئے صرف اور صرف ایک ہی وسیلہ ہے۔ ایک ہی راستہ ہے۔ اور ایک ہی دروازہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید کا اس طرح اقرار کرے جس طرح حضرت محمد رسول اللہ کی رسالت نے بتایا ہے۔ یہ ہی صحیح وسیلہ ہے۔ اور یہ ہی وسیلہ باعث نجات ہے۔ ایت میں توحید کے ساتھ عمل صالح کو ذریعہ نجات قرار دیا گیا ہے۔ اور عمل صالح صرف وہی ہے۔ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ یا وہ جو صحابہ کرام نے اجتماعی طور پر کیا یا فرمایا ہے۔ اس کے سوا کوئی عمل عملِ صالح نہیں۔ خواہ ایسا عمل کرنے والا اس کو اپنے زعم و خیال میں کتنا بڑا عمل صالح سمجھتا ہو۔ آپ نے فرمایا۔

"ہر وہ عمل جو ہمارے حکم کے مطابق نہیں مردود ہے۔"

توگویا توحید اور سنت رسول کی پیروی ہی کلمہ شہادت کا خلاصہ اور مغز ہے۔ اور یہ ہی اسلامی وسیلہ ہے۔

اگر کوئی شخص عقل و دانش سے بالکل محروم نہیں اور اسے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ذرا سی مقدار میں بھی عطا فرمائی ہے۔ تو اسے ان گزارشات سے سمجھ لینا چاہیے کہ اہلِ حدیث مطلق وسیلہ کا انکار نہیں کرتے۔ اور وہ وسیلہ کے منکر نہیں ہیں جیسا کہ اہلِ بدعت اور بندگان بدعت نے ان کے متعلق مشہور کر رکھا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ وسیلہ کے منکر ہیں۔ یہ محض الزام اور جھوٹ ہے۔ اہلِ حدیث وسیلہ کے قائل ہیں مگر وہ اس وسیلہ کے قائل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی توحید خالص اور عمل صالح۔

اذان میں مذکور اس کلمہ شہادت سے تین اور باتیں بھی معلوم ہوئیں۔

(الف) جس طرح باری تعالیٰ کی معرفت صرف رسولِ خدا کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح کلام باری تعالیٰ یعنی قرآن مجید کا صحیح فہم بھی رسولِ خدا یعنی حدیث نبوی کے بغیر ناممکن ہے۔ اگر کسی اور ذریعہ سے قرآن مجید کا سمجھنا ممکن ہوتا تو پھر رسول کی ضرورت باقی نہ رہ جاتی یا پھر اس

کی حیثیت محض ایک وقتی منتظم اعلیٰ کی رہ جاتی ہے۔ جس کا دورِ اقتدار سیاسی استحکام کا مرہون منت ہوتا۔ اور اس کے وصال کے بعد اس کی نبوت و رسالت کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔
نبوت و رسالت کا یہ وہ تصور ہے۔ جو آج کل بعض منکرینِ حدیث پیش کرتے ہیں۔ جو سراسر توہینِ رسالت اور انکارِ رسالت کے مترادف ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کو لغت کے بل بوتے پر سمجھا جانا چاہیے اور وہ قرآنی احکام و آیات کو لغت کی کتابوں کی مدد سے ہی حل کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اگر قرآن فہمی کے لیئے لغت کافی ہوتی تو پھر قرآن کے ساتھ رسول بھیجنے کی ضرورت باقی نہ رہ جاتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی کتاب کے ساتھ رسول بھیجنے کی بجائے کوئی لغت کی کتاب نازل فرما دیتا۔ اور اس طرح صحابہ کرام قرآن کی تفسیر رسولِ خدا سے پوچھنے کی بجائے لغت کی کتاب سے دیکھ لیتے۔
اسی طرح اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول خدا کی حیثیت محض ایک سول ایڈمنسٹیٹر کی ہے۔ تو پھر یہ کہنا پڑے گا۔ کہ اس سول ایڈمنسٹیٹر کی وفات کے ساتھ ہی اس کی رسالت بھی ختم ہو گئی ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ کہ ایسا تصور کرنا بھی ایمان کے غارت کرنے کے لیئے کافی ہے۔
لہٰذا کلمہ شہادت میں اس بات کا اقرار و اعتراف بھی موجود ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ابدی ہے۔ اور یہ اللہ کی کلام کو رسولِ خدا کے ارشادات و فرمودات سے جدا کر کے سمجھنا اسی طرح ناممکن ہے۔ جس طرح لا الٰہ الا اللہ سے محمد رسول اللہ کو جدا کر کے مسلمان رہنا ناممکن ہے۔

(ب) اذان میں مذکور اس کلمہ شہادت سے دوسری یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام بہت بلند و عظیم الشان ہے۔ جب کبھی مؤذن باوازِ بلند اللہ کا نام لیتا ہے۔ تو اس کے فوراً بعد آپ کا اسم گرامی بھی لیتا ہے۔ جو آپ کے رفع درجات کا نشان ہے۔ اسی بنا پر اکثر مفسرین کرام نے قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ یہاں رفع ذکر سے مراد یہ ہے۔ کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر آئے گا وہاں اس کے رسول کا ذکر بھی آئے گا۔ اور رسول کے ذکر کے بغیر خدا کا ذکر ناقص، نامکمل اور غیر مقبول ہو گا

(ج) اس قدر علو مرتبت کے باوجود کلمہ شہادت میں آپ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد کیا گیا ہے۔ وہ محض اللہ کے فضل و کرم اور لطف و احسان کا نتیجہ ہے۔ اور یہ کہ آپ کا درجہ خدا

سے بہرحال بعد کا ہے۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔ ایک معبود ہے تو دوسرا عابد ہے۔ ایک خالق ہے۔ تو دوسرا مخلوق ہے۔ ایک بے نیاز ہے۔ تو دوسرا نیاز مند ایک آقا ہے۔ تو دوسرا غلام ایک رب ہے۔ تو دوسرا بندہ

اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

فخر دو عالم سرور کائنات کا اسم گرامی محمد ہے۔ جس کا مادہ حمد ہے۔ حمد کا عام فہم معنی تعریف ہے۔ تو گویا محمد کا معنی ہوا تعریف کیا گیا۔ یہ بھی سرور دو جہاں کے فضائل و مناقب میں شامل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایک ایسا پیارا اور خوبصورت نام پسند فرمایا۔ کہ اگر کوئی بدنصیب نابکار آپ کی تنقیص بھی کرنا چاہے تو وہ نہ کر سکے۔

جب وہ محمد کہہ کر برائی بیان کرے گا تو ایک قسم کا پہلے اعتراف کرے گا کہ آپ کی ذاتِ اقدس لائق تعریف ہے۔ تو پھر اس کے بعد تنقیص کی کیا تک رہ جاتی ہے۔ اور جب آپ کے مخالفین و معاندین نے عاجز آکر خالم بدہن آپ کا نام ہی بدل دیا۔ اور آپ کو محمد کی بجائے مذمم کہنے لگے تو اس طرح بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ذاتِ مبارک کو ان کی بدزبانی سے محفوظ کر دیا۔ کہ وہ تو جو کچھ کہتے تھے مذمم کو کہتے تھے۔ اور یہ چونکہ آپ کا نام نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ان کی بدزبانی سے ایک طرح محفوظ ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس نقطہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

ھم یشتمون مذمما و محمّد من شتمهم فی معزل وصیان

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ محمد کا مادہ حمد ہے۔ اور حمد کا معنی تعریف ہے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ایک نام محمود ہے۔ اور اس کا مادہ بھی حمد ہے۔ تو اس نام کی طرح محمود اور محمد دونوں کا مادہ حمد ہوا اور یہ دونوں نام ایک ہی لفظ حمد سے بنے ہیں۔ جو اس بات کا اظہار ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر عظیم الشان رتبہ پر فائز ہیں

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسی نکتہ کو بایں الفاظ بیان کیا:۔

وضم الالہ اسم النبی الی اسمہٗ

اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذوالعرش محمود وھذا محمد

اسی طرح مؤذن کم از کم دن رات میں پانچ وقت تمام مسلمانوں کی طرف سے یہ عظیم الشان اور پُراز معانی کلمہ باواز بلند کہتا ہے۔ اور اللہ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتا ہے۔